بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن!

گزشتہ برس ننکانہ صاحب کے ایک گاؤں اِٹاں والی میں چند خواتین فالسے چن رہی تھیں' اِن میں عیسائی خاتون آسیہ بی بی بھی شامل تھی۔ یہ ایک ہی گاؤں کی رہنے والی تھیں اور باہم مل جُل کر محنت مشقت کر کے بچوں کا پیٹ پالتی تھیں۔ اِن میں کبھی کوئی جھگڑا یا کشیدگی مذہب کی بنیاد پر نہ تھی۔ وقوعہ کے روز وہ اکٹھی بیٹھ کر دوپہر کا کھانا کھا رہی تھیں۔ اِن کی تعداد آٹھ یا دس تھی۔ پانی پینے کے لیے صرف تین گلاس تھے۔ عیسائی خاتون آسیہ بی بی نے ایک گلاس میں پانی پیا' تمام مسلمان خواتین نے بقیہ دو گلاس پانی پینے کے لیے استعمال کیے اور اُس گلاس کو استعمال نہ کیا جس میں عیسائی خاتون نے پانی پیا تھا۔ اس بات کو عیسائی خاتون نے نوٹ کیا اور اِسے اپنی سخت توہین خیال کیا۔ پہلے اُس نے مسلمانوں کو برا بھلا کہا اور پھر حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ اِن عورتوں نے واپس جا کر مردوں سے بات کی کہ اِس عیسائی خاتون نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے' جس پر گاؤں میں پنچایت نے آسیہ بی بی کو طلب کیا۔ آسیہ بی بی نے اعتراف کیا کہ اُس نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے' پنچایت کے ارکان نے تھانہ اور ڈی سی او سے رابطہ کیا' جس نے فریقین کو طلب کر لیا۔ پہلے پنچایت والوں کا موقف سنا گیا اور بعد ازاں آسیہ بی بی کے علاوہ تمام لوگوں کو کمرے سے نکال دیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ آسیہ بی بی جو کہنا چاہے بغیر دباؤ کے کہہ دے' لیکن چند منٹ بعد ہی اُس افسر نے تمام لوگوں کو واپس بلا لیا اور کہا کہ وہ تو صاف صاف اعتراف کر رہی ہے' کسی قسم کی انکوائری اور تفتیش کی ضرورت ہی نہیں اور سیشن جج نے تھانے کو آسیہ بی بی کے خلاف مقدمہ درج کرنے کا حکم دے دیا۔ چودہ ماہ کی سماعت کے بعد سیشن جج نے ملزمہ کو جرم وار قرار دیتے ہوئے سزائے موت کا حکم سنا دیا۔

اس سزا پر دشمنانِ اسلام کی چیخ و پکار تو سمجھ میں آتی ہے' پاکستان کے سیکولر دانشوروں کو بھی کرنٹ لگا ہے۔ اور تو اور بلانوش گورنر سلمان تاثیر آسیہ بی بی کے آستانے پر حاضری دینے پہنچ گئے۔ میڈیا کے سامنے عدالتی فیصلے کی مذمت کی' اِس بدبخت خاتون سے صدر کے نام معافی کی درخواست لکھوائی اور مذہبی رہنماؤں کے خلاف زبان درازی کرنے لگے۔ حالانکہ ۱۹۷۳ء کا آئین' جسے سیاست دان اپنے مفاد کے تحت کبھی آسمانی صحیفہ بنا دیتے ہیں اور کبھی پاؤں تلے روند دیتے ہیں' واضح کرتا ہے کہ کوئی عدالتی سزا یافتہ شخص اُس وقت صدر پاکستان سے سزا کی معافی کے لیے رحم کی اپیل کر سکتا ہے جب عدالتی کارروائی کے تمام مراحل طے ہو چکے ہوں' یعنی سپریم کورٹ بھی اُس کے خلاف فیصلہ صادر کر چکی ہو۔ لیکن حکومت کے اعلیٰ منصب دار نے آئین کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہوئے میڈیا کے سامنے سیشن جج سے سزا یافتہ مجرمہ سے صدر کے نام درخواست لکھوائی۔ علاوہ ازیں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے نہ صرف اِس فیصلے کے بلکہ توہین رسالت کے قانون کے خلاف بھی طوفان اُٹھا دیا۔ تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیں کہ جج نے قانون کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا اور قانون کو بالائے طاق رکھ کر فیصلہ کیا ہے تو اس میں قانون کا کیا قصور ہے؟ اُسے تبدیل کرنے کی ضرورت کیوں پڑ گئی ہے؟ فیصلہ اگر غلط ہوا ہے تو اعلیٰ اور اعلیٰ ترین

عدالت سے رجوع کریں۔ کیا قتل کے یا دھوکہ دہی کے کسی مقدمہ میں غلط فیصلہ ہونے پر دفعہ 302 یا 420 کو آئین سے خارج کرنے کا سوال کبھی اُٹھایا گیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ امریکی ڈالروں کی چکاچوند نے اور مغرب کی بے حیا اور مادر پدر آزاد تہذیب نے انہیں اتنی بری طرح اپنی گرفت میں لے لیا ہے کہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی شرعی قوانین اور اللہ کے رسول ﷺ سے مسلمانوں کا والہانہ عشق اُنہیں کانٹے کی طرح چبھتا ہے اور وہ ابلیس اور اس کی ذُریتِ معنوی کے اِس ایجنڈے پر اندھا دھند عمل پیرا ہو جاتے ہیں کہ ع روحِ محمدؐ اِس کے بدن سے نکال دو!

خلفائے راشدین کا دور اسلام کا سنہری دور تھا۔ بعد ازاں اس میں تخت نشینی کے حوالے سے ملوکیت کا پیوند لگ گیا' باقی نظامِ حکومت خالصتاً اسلام کے عطا کردہ اصولوں کے تحت چلتا رہا۔ پھر کھلم کھلا بادشاہت در آئی اور کئی برائیاں پیدا ہو گئیں۔ عیش و عشرت اور رنگ رنگلیاں بھی ہونے لگیں' یہاں تک کہ مسلمان مملکتیں بدترین زوال کا شکار ہو گئیں۔ لیکن ۱۹۲۴ء یعنی جب تک خلافت کا ادارہ قائم تھا مسلمان ممالک میں عدالتی فیصلے قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ہوتے رہے۔ برصغیر پاک و ہند میں جب انگریز حکمران بنا تو اُس وقت انگلینڈ میں توہین مسیح کا قانون بطور common law موجود تھا' جو آج بھی ہے۔ انگریز نے ہندوستان میں انڈین پینل کوڈ نافذ کیا تو اِس میں دفعہ 124-A کے تحت منافرت پھیلانے کی سزا عمر قید رکھی گئی۔ پھر 153-A کے ذریعے مذہبی اور بزرگ ہستیوں کی توہین کی سزا دو سال مقرر کی گئی۔ رنگیلا رسول کے ناشر راج پال کو بھی اِسی دفعہ کے تحت سیشن جج کی عدالت سے سزا ہوئی' لیکن ہائی کورٹ نے اُسے بری کر دیا' جس پر غازی علم دین شہید نے اُسے جہنم واصل کر دیا۔ قیام پاکستان کے بعد یہی قانون لاگو رہا۔ ۱۹۸۰ء میں یہ سزا بڑھا کر تین سال کر دی گئی۔ ۱۹۸۴ء میں جناب اسماعیل قریشی نے شریعت کورٹ میں پٹیشن دائر کی کہ توہین رسالت کی سزا موت مقرر کی جائے۔ ابھی پٹیشن کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ محترمہ آپا نثار فاطمہ نے قومی اسمبلی میں توہین رسالت کے مجرم کے لیے سزائے موت کا بل پیش کیا۔ جب یہ بل ایکٹ میں تبدیل ہوا تو اُس میں سزائے موت یا عمر قید کر دیا گیا۔ یہ قانون 295-C کہلاتا ہے۔ ۳۰/ اکتوبر ۱۹۹۰ء میں فیڈرل شریعت کورٹ نے 295-C میں ترمیم کر کے عمر قید کے الفاظ حذف کر دیے۔ یعنی اب توہین رسالت کے جرم کی سزا صرف سزائے موت ہے۔

تاریخ اسلام ایسے فیصلوں سے بھری پڑی ہے جن میں شاتمِ رسول کو جہنم واصل کیا گیا۔ نبویؐ دور میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جب کسی شاتم رسول کو قتل کیا گیا تو آپؐ کا اُس کے قاتل کو قصاص اور دیت سے مبرا قرار دینا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے' بلکہ جس بدبخت نے حضور ﷺ کی ہجو کہی تھی آپؐ نے خود اُس کے قتل کا حکم جاری فرمایا تھا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر جب عام معافی کا اعلان کیا گیا تب بھی گستاخانِ رسول کے بارے میں حکم دیا گیا کہ یہ لوگ اگر خانہ کعبہ کے غلاف سے بھی لپٹ جائیں تب بھی انہیں قتل کر دیا جائے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ابن خطل کو اِس حالت میں قتل کیا گیا کہ وہ خانہ کعبہ کے غلاف سے چمٹا ہوا تھا۔

قرآن حکیم نے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے مقدس نفوس کو بھی انتباہ کر دیا تھا کہ جو کوئی حضور ﷺ کے سامنے اپنی آواز بلند کرے گا اُس کے تمام اعمال حبط کر دیے جائیں گے اور اُسے معلوم بھی نہیں ہو گا۔ یہ تصور نہیں بھی کیا جا سکتا تھا کہ مسلمان ریاست میں مسلمان حکمرانوں کے ہوتے ہوئے کوئی بدبخت حضور ﷺ کے خلاف زبان درازی کرے گا تو نہ صرف یہ کہ اُسے بدترین سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اُس کے حق میں آوازیں بھی اُٹھائی جائیں گی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

قارئین کرام! مملکتِ خداداد پاکستان جسے حضور ﷺ کے غلاموں نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کا نعرہ لگا کر حاصل کیا تھا' وہاں آسیہ بیبیاں پیدا ہوتی رہیں گی۔ یورپ میں حضور ﷺ کے خاکے بنتے رہیں گے اور قرآن کو نذرِ آتش

(باقی صفحہ 80 پر)

تھا۔ صیہونی تحریک تھیوڈور ہرزل (Theodor Herzl) کی رہنمائی میں ایک سیاسی ادارے کے طور پر ۱۸۹۷ء میں شروع ہوئی‘ جسے ویزمین (Chaim Weizmain) نے جاری رکھا۔ ویزمین کی سرکردگی میں اس تحریک نے ریاست اسرائیل کی صورت میں ۱۹۴۸ء میں یہ مقصد حاصل کرلیا۔ لیکن صیہونیت اسرائیل اور مشرق وسطیٰ کی سیاست میں نہایت اہم رہی۔ اب اس تحریک کا مقصد بطور ایک یہودی ریاست‘ اسرائیل کی حفاظت و توسیع اور اس میں آبادکاروں کے حوصلے بڑھانے کی کوشش ہے۔

مذکورہ بالا ناموں کو اگر ترتیب دیں تو سب سے پہلے وہ عبرانیین کہلائے‘ پھر بنی اسرائیل‘ پھر یہود‘ پھر اہل کتاب اور اُنیسویں صدی میں یہود میں سے ان کی تحریک صیہونیت سامنے آئی جو بالآخر منفی ہتھکنڈوں سے ایک ریاست بنانے میں کامیاب ہوگئی‘ جو اپنے قیام کے وقت سے ابلیسی کردار ادا کر رہی ہے‘ اور اس کے مقابلے کی ہمت وہی ریاست کرسکتی ہے جو خلافت کے نظام پر مبنی ہو۔

یاد رہے کہ یہ یہودی اپنے وقت کے مسلمان تھے‘ جیسا کہ ہمارے اور ان یہود کے آباء و اجداد نے اپنے بیٹوں کو ساری زندگی مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی نصیحت کی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾﴾ (البقرہ) ”اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے اسی کی وصیت کی: اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے دین چُن لیا ہے‘ پس تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان“۔ لیکن ان کی نسل جیسے جیسے بڑھتی گئی وہ ایک مسلمان کا طرزِ زندگی چھوڑ کر یہودی اور دیگر نام اختیار کرنے لگے‘ جس طرح آج ہم مسلمان نام اختیار کرنے کی بجائے دیگر ناموں سُنّی‘ وہابی اور دیوبندی وغیرہ سے اپنی شناخت کرواتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ ہم گروہی تعصّبات سے نکلیں اور اسی طرح یہودیوں کو بھی چاہیے کہ وہ ملّتِ ابراہیمی کی پیروی کریں جو نبی مکرم حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے دینِ اسلام کی شکل میں ہے۔

نخبہ ٹف بن کی طرف سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے مطالعہ کیجیے
نظریۂ وحدتُ الوجود اور ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
ازقلم: حافظ محمد زبیر
16 صفحات پر مشتمل کتابچہ‘ قیمت صرف 10 روپے

بقیہ: عرضِ احوال

کرنے کے اعلان ہوتے رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم دھواں دار تقریروں سے‘ ٹائر جلانے اور گاڑیوں کے شیشے توڑنے سے اُنہیں آقائے نامدار ﷺ اور کتاب اللہ کی توہین سے روک نہیں سکیں گے۔ ہم میں دینی شعائر اور حضور ﷺ کی ذات کے حوالے سے جذبہ یقیناً موجود ہے‘ لیکن یہ نعروں اور جذباتی تقاریر تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ شاعر مشرق نے پون صدی پہلے مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر یہ کہہ دیا تھا ع رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی! ضعفِ ایمانی کی یہ کیفیت اب آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ نماز روزہ اور مساجد کی تزئین و آرائش میں یقیناً اضافہ ہوا ہے۔ نمازیوں کی تعداد بھی پہلے سے بہت بڑھ گئی ہے‘ لیکن دین کے لیے ایثار اور قربانی کا جذبہ بالکل مفقود ہو چکا ہے۔ نماز‘ روزہ محض رسم اور روٹین بن کر رہ گئے ہیں۔ اسلام جو ایک دین ہے‘ ایک نظریہ ہے‘ ایک مکمل نظام ہے‘ اگر ہم اُسے غالب اور قائم نہیں کرتے تو محض نعروں اور جلوسوں سے ہم اللہ کے رسول ﷺ کی توہین کرنے والوں کی زبانیں بند نہیں کروا سکتے۔ اِکا دکا واقعہ کسی دور میں بھی ہوسکتا ہے‘ لیکن حضور ﷺ کی توہین اور شعائرِ اسلامی کی تضحیک اگر یوں سرِعام ہو اور اُسے حکومتی سرپرستی حاصل ہو جائے تو گویا اصل مجرم یہ معاشرہ ہے۔ اصل مجرم یہ مسلمان خود ہیں جو اِس ملک میں عظیم اکثریت میں ہیں۔ اور یہ دعویٰ کہ پاکستان میں جمہوریت ہے مسلمانانِ پاکستان کے جرم میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ یہ کہنا غلط ہوگا بلکہ صریحاً غلط ہوگا کہ ہم مسلمانوں کو نبی اکرم ﷺ سے اب محبت نہیں رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ نفسانی خواہشات‘ ذاتی مفادات اور دنیا کی ہوس نے اِس محبت پر عارضی طور پر پردے ڈال دیے ہیں۔ اِن پردوں کو چاک کرنے کے لیے عزم و ہمت اور مضبوط قوتِ ارادی کی ضرورت ہے۔ اِس کے لیے قانون کو ہاتھ میں لینے کی‘ توڑ پھوڑ اور تخریب کاری کرنے کی قطعی ضرورت نہیں‘ بلکہ خود کو اللہ کا فرمانبردار بندہ اور محمد عربی ﷺ کا حقیقی غلام بنانے کی ضرورت ہے۔ معاشرے کو قرآن اور سنت کی روشنی میں خالصتاً اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ ریاست میں اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی نافذ کرنے کی ضرورت ہے۔ وگرنہ یاد رکھیے سلمان رشدی‘ تسلیمہ نسرین اور آسیہ بیبیاں پیدا ہوتی رہیں گی اور ہم نعروں سے دل بہلاتے رہیں گے‘ ٹائر جلا کر فضا کو زہر آلود کرتے رہیں گے۔

ہر اُس شخص کو جان لینا چاہیے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے‘ جو اپنے پیارے نبی ﷺ پر جان نچھاور کرنے کی آرزو رکھتا ہے‘ جو قرآن کو اللہ کی آخری اور حتمی کتاب مانتا ہے کہ اگر وہ پابندی کے ساتھ ارکانِ اسلام ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کو پہلے پاکستان اور پھر پوری دنیا میں نافذ کرنے کے لیے حقیقی اور دل و جان سے جدوجہد نہیں کرتا اور اِس کے پہلے قدم کے طور پر کسی اسلامی انقلابی جماعت میں شمولیت نہیں کرتا تو وہ خود اِس پس منظر میں اپنے طرزِ عمل پر غور کرے کہ اُس کی ذاتی عبادت اور نیکی اُسے کس طرح یہ طاقت مہیا کرے گی کہ وہ شاتم رسول کو جہنم واصل کر سکے؟ وہ قرآن کو نذرِ آتش کرنے والے کے ہاتھ کیسے روک سکے گا؟ وہ شرعی قوانین کے خلاف زبان درازی کرنے والوں کی زبانیں کیسے کھینچ سکے گا؟ اگر اللہ پر ایمان ہے‘ اگر قرآن حق ہے اور اگر رسول اللہ ﷺ پر ماں باپ فدا کرنے کے دعوے سچے ہیں تو اس ملک کو اور اس دنیا کو اسلام کا گہوارہ بنانے کے لیے جت جائیں۔ یہ ہے وہ کاروبار‘ یہ ہے وہ تجارت جس میں خسارے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ دنیا نہیں تو نہ سہی‘ آخرت میں تو جنت منتظر ہوگی۔ بصورت دیگر دنیا میں ذلیل و رسوا تو ہو ہی رہے ہیں‘ آخرت میں بھی نجات سوالیہ نشان بن جائے گی۔ واللہ اعلم۔ لہٰذا محض نعرے نہیں گستاخانِ رسول کو منہ توڑ جواب دینے کے لیے اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی نافذ کرنا لازم ہے۔ ○○